جناب رشید احمد صاحب

عہدِ نبوی میں اصولِ سیاست

عہدِ نبویؐ دو دور میں منقسم ہے ایک دور مکی کہلاتا ہے اور دوسرا مدنی۔ دونوں بڑی حد تک سیاسی اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ اختلاف مقامی حالات کا لازمی نتیجہ ہے۔ مکہ میں اسلام کا سنگِ بنیاد نہایت ناسازگار حالات میں رکھا گیا۔ با اقتدار دشمن نے اسلام کے ختم کر دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ مکی عہد کی تاریخ سراسر مغلوبیت کی تاریخ ہے۔ اس لئے اس زمانے میں جو اصولِ کار وضع کئے گئے وہ ان اصولوں سے مختلف ہیں جو ہجرت کے بعد متعین ہوئے کیونکہ مدینہ میں حالات سراسر بدل گئے۔ حامیوں اور معاونوں کی تعداد سینکڑوں سے ہزاروں بلکہ لاکھوں تک جا پہنچی تو دشمن بھی دل آزاری کی حدود سے تجاوز کر کے تیغ و تفنگ کے ساتھ میدانِ جنگ میں اتر آیا۔ پھر اسلام دشمنی اہلِ قریش تک محدود نہ رہ گئی بلکہ یہودِ مدینہ، شاہِ شام، شہنشاہِ ایران، غطفان، ہوازن اور ثقیف کے قبائل بھی درپے آزار اور برسرِ پیکار ہو گئے۔

مکی عہد کی سیاست

مکہ میں اگرچہ اسلامی حکومت معرضِ وجود میں نہیں آئی تھی تاہم ایک طرف مسلمانوں میں جذبۂ اتحاد کو ترقی دینے کی ضرورت تھی تو دوسری طرف مالدار اور طاقتور دشمن کی ایذا رسانیوں کو بے اثر بنانا تھا۔ اس طرح داخلہ اور خارجہ دونو قسم کے اصولِ سیاست پر عمل کیا گیا۔

داخلہ پالیسی ایک یکا و تنہا شخص جس کی مال و دولت کے اعتبار سے کوئی حیثیت نہ تھی عرب کی تیرہ و تاریک سرزمین میں اصلاحِ قوم کے لئے کمرِ ہمت باندھتا ہے۔ حالات نہ تو زمانہ کے اعتبار سے موافق ہیں اور نہ ہی وہ مقام جہاں سے وہ آغازِ کار کرتا ہے اس کے لئے سازگار ہے۔ زمانہ تو ایسا ہے کہ عرب کیا بلکہ کرۂ ارض کے تمام باشندے کفر و سرکشی میں مبتلا ہیں۔ صدیوں سے انہوں نے خدا کو زیبِ طاقِ نسیاں بنا رکھا ہے۔ قومیں ظلم و بے رحمی میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے میں سرگرم ہیں۔ بے کسوں اور کمزوروں کے لئے زندگی اجیرن بنی ہوئی ہے اور مقام نافِ زمین ہے جسے مکہ کہتے ہیں جہاں حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے مرکزِ توحید قائم کیا تھا اب یہ حال ہے کہ وہی مرکزِ دنیا کا سب سے بڑا بت خانہ بنا ہوا ہے جس میں ایک دو نہیں بلکہ پورے تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے ہیں۔

ان حالات میں ضرورت اس بات کی تھی کہ اصلاح کا آغاز قریبی حلقے — دوستوں اور رشتہ داروں — سے کیا جاتا اور ایسا ہی کیا گیا کہ دو سال تک دعوت کو خفیہ اور محدود رکھا گیا۔ اسلام آہستہ آہستہ لیکن برابر ترقی کرتا رہا۔ اس کے حلقے میں شامل ہونے والے مختلف قوم و نسل سے تعلق رکھتے تھے ان میں قریشی بھی تھے اور غیر قریشی بھی۔ عربی بھی تھے اور عجمی بھی۔ رومی بھی اور ایرانی بھی۔ یمنی بھی تھے اور حبشی بھی۔ بنی نوع انسان قبائلی عصبیت کے علاوہ اور کسی رشتہ اتحاد سے آشنا نہ تھے۔ ظاہر ہے کہ نوزائیدہ مذہب کے لئے اتحاد کا یہ قدیم ذریعہ ناقابلِ عمل تھا۔ اس لئے مذہب وملت کی بنا پر مختلف عناصر کو ایک رشتے میں منسلک کیا گیا۔ ادنیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والوں کے دلوں سے احساسِ کمتری کو ختم اور اعلیٰ طبقے کے افراد کے ذہنوں سے فوقیت اور برتری کے غلط احساس کو محو کر دیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس اختلاف قوم و نسل کے باوجود کم از کم قیام مکہ کے دوران میں ایک بھی واقعہ ایسا رونما نہیں ہوا جس میں مسلمان باہم دست و گریبان ہو گئے ہوں۔

اصلاح کے سلسلے میں یہ امر خاص طور سے ملحوظ رہا کہ صدیوں کے بے راہ روؤں کی اچانک اصلاح ممکن نہیں اس لئے یہ کام بتدریج انجام دیا جائے۔ اسی غرض سے احکام پر کم اور عقاید پر زیادہ زور دیا گیا تاکہ ان کے خیالات پاک ہو جائیں۔ ان کو شراب پینے سے منع نہیں کیا گیا، سود خوری سے انھیں باز نہیں رکھا گیا، ان کے لئے روزے لازمی قرار نہیں دیئے گئے ان پر زکوٰۃ عائد نہیں کی گئی۔ نماز جیسی اہم عبادت بھی ان کو عادی بنانے کے لئے مختصر ہی رکھی گئی۔

تدریج کے ساتھ ساتھ اُن ہی اخلاق حمیدہ کا مطالبہ کیا گیا جن کو اہل عرب کم از کم نظری طور پر مستحسن جانتے تھے۔ لیکن عرب کے مبالغہ اور غلو نے ہر عمدہ صفت کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا اس نے سخاوت کا دائرہ اتنا وسیع کر دیا کہ قمار بازی اور غارت گری بھی اس میں داخل ہو گئیں، خودداری کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ معاملہ دختر کشی تک جا پہونچا تھا۔ ظلم و سفاکی، قتل و غارت عین شجاعت سمجھے جانے لگے۔ زہد و تقوی میں قتل اولاد بھی داخل ہو گیا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ ان کے اخلاق میں اعتدال پیدا کیا جائے اس لئے مکی عہد میں درمیانہ روی کی پالیسی پر عمل کیا گیا۔

خارجہ پالیسی داخلی سیاست چنداں پیچیدہ نہ تھی لیکن خارجی سیاست پیچیدہ بھی تھی اور خطرناک بھی۔ مکہ میں اسلام کو دشمنوں نے آہنی پنجوں میں جکڑا ہوا تھا۔ آزادی اور اطمینان کا سانس لینا بھی اس کے لئے ممکن نہ تھا۔ آبائی دین کے خلاف اہل مکہ ایک حرف بھی سننا گوارا نہ کرتے تھے کیونکہ اسی مذہب کے بل بوتے پر ان کو مذہبی اقتدار اور تجارتی اجارہ داری حاصل تھی۔ اسی مذہب کے طفیل انھیں سارے عرب میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اس طرح اسلام کے دشمن کے پاس طاقت بھی تھی اور دولت بھی، اس کے پاس علم بھی تھا اور عقل بھی۔ اسلام کو مٹانے کے لئے اس نے پوری چالیس چلیں اور دور کی کوڑیاں بھی لایا۔ روپے کو پانی کی طرح بہایا اور طاقت کے استعمال میں بھی اسکو عار نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام مکہ کے تیرہ سالہ عرصہ میں تمام کوشش اس بات پر صرف کر دی کہ دشمن جو

بھی چال چلے اس کو ناکام بنا دیا جائے اور تشدّد سے کام ہرگز نہ لیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کے زیر سایہ تربیت پائی تھی۔ ابو طالب بنو ہاشم کے سردار تھے۔ کفار کو ابو طالب کے خیال سے ان کے بھتیجے کو ایذا پہونچاتے ہوئے خطرات نظر آتے تھے اس لئے سب سے پہلے قریش کے افراد نے اس بات کی کوشش کی کہ ابوطالب پر دباؤ ڈال کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اشاعت اسلام سے باز رکھیں یا کم از کم ابو طالب خود بھتیجے کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں۔ قریش کا خیال تھا کہ ابوطالب کے ایسا کرنے سے تحریک اسلامی خود بخود دب جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ انھیں اس میں کامیابی حاصل ہو جاتی اگر بلند حوصلگی اور اولوالعزمی کو بروئے کار نہ لایا جاتا۔ رسول اللہ صلعم کے وہ جرأت مندانہ الفاظ تاثیر پیدا کئے بغیر نہ رہ سکے کہ "اے چچا! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیں تب بھی اس کام سے باز نہ آؤں گا" یہ الفاظ سنکر ابوطالب کو کہنا ہی پڑا "بھتیجے جاؤ اپنا کام کرو یہ لوگ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے"

پہلی تدبیر میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہونے کے بعد قریش نے دوسرا لیکن مجرب حربہ استعمال کیا جس میں انھیں سو فی صدی کامیابی کی توقع تھی۔ زر اور زن نے بڑے بڑے دیدہ وروں کی آنکھوں کو خیرہ اور بڑے بڑے حق گوؤں کا منہ بند کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے سامنے تاج و تخت، زر و جواہرات، ماہ وش لڑکیوں اور مہ جبین دوشیزاؤں کی پیش کش کی گئی لیکن آپ نے نہایت سختی کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اس چال میں بھی کفارِ مکّہ کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اب اُنھوں نے طاقت کے ذریعہ اس تحریک کو ختم کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ کمزور اور نہتے مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔ ان کو تپتی ہوئی ریت پر لٹایا گیا، سینے پر بھاری بھاری پتھر لاد دیئے گئے، گلے میں رسی باندھ کر گلی گلی کوچہ کوچہ گھسیٹا گیا۔ مرد تو مرد عورتیں بھی نہیں بخشی گئیں۔ ابوجہل نے عمار کی والدہ حضرت سمیہ کو برچھی مار کر شہید اور حضرت زنیرہ کو اندھا کر دیا۔ مقتدر اور مؤقر صحابہ بھی ان مظالم سے نہ بچ سکے حضرت عثمانؓ جیسا مالدار آدمی رسی میں باندھ کر مارا گیا۔ ابوذرؓ کو دل کھول کر زد و کوب کیا گیا کہ وہ بے ہوش ہوگئے۔ زبیر کو چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھونی دی گئی اور تو اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جن کی صداقت و امانت، عدل و انصاف کا پورا عرب معترف تھا ان ستم گروں کے ستم سے محفوظ نہ رہ سکے۔ کانٹوں سے آپ کے تلوے چھلنی کر دئے گئے، جسم اطہر پر غلاظت پھینکی گئی، گردنِ مبارک پر چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچا گیا کہ نشان پڑ گئے۔ طائف کے شقیوں نے تو حد ہی کر دی، اُنہوں نے آپ کو سنگباری کر کے لہو لہان کر دیا۔ مسلمانوں کا اہل مکّہ نے بائیکاٹ کیا، کھانے پینے کی چیزیں بھی روک دیں۔ آخر کار مسلمان مجبور ہو کر شہر سے باہر ایک پہاڑی میں رہنے لگے۔ ایک دو دن یا مہینے نہیں بلکہ تین سال تک انھوں نے درختوں کے پتے کھا کھا کر زندگی کے دن گزارے۔ ان تمام دل دہلا دینے والی تکالیف کا مسلمانوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، ان کی حکمت عملی یہی رہی کہ وہ دشمن کے دام آزمیں نہ پھنسیں اور نہ ہی ان کے مظالم کے سامنے ہتھیار ڈالیں انہوں

شروع سے آخر تک عدم تشدد سے کام لیا اور کبھی طاقت کے ذریعہ مشکلات کو حل کرنے کی کوشش نہیں کی۔

ان دشواریوں کے باوجود تبلیغ کے کام کو رسول اللہ صلعم نے جاری رکھا۔ عرب کے میلوں اور بازاروں میں آپ تشریف لے جاتے حاجیوں کے خیموں اور ان کی قیام گاہوں کا چکر لگاتے اور دعوت اسلام دیتے۔ ابولہب سایہ کی طرح ساتھ رہتا اور جب آپ کسی مجمع میں تقریر کرتے یا کسی کے سامنے اسلامی تعلیمات کی تشریح کرتے تو وہ برابر کہتا رہتا" لوگو اس کی بات میں نہ آنا یہ دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ بولتا ہے" لوگوں نے آپ کو ساحر بھی کہا دیوانہ بھی نام دھرا لیکن آپ نے تبلیغ میں ایک دم کے لئے بھی کبھی کوتاہی نہیں کی۔

غرض کہ بیک وقت دو کام جاری تھے۔ دشمنوں کی چالوں کی کاٹ کرنا اور تحریک اسلام کے حامیوں کی تعداد میں اضافہ کرنا۔

ملکی سیاست میں اخفاء راز کو خاص اہمیت حاصل ہے وہ جماعت کبھی کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکتی جو اپنے رازوں کی حفاظت نہیں کیا کرتی۔ اگر دشمن مدمقابل کے رازوں سے واقف ہو جائے تو پھر اس کو ناکام بنانے میں کونسی کسر باقی رہ جاتی ہے۔ حبشہ کی طرف مہاجرین کی روانگی کا علم کفار کو بہت بعد میں ہوا۔ انھوں نے مسلمانوں کا تعاقب کیا لیکن مسلمان ان کے پہنچنے سے پہلے ہی بندرگاہ سے جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہو چکے تھے۔ عقبہ کے مقام پر اہلِ مدینہ اور رسول اللہ صلعم کے درمیان نہ صرف ملاقاتیں ہوئیں بلکہ وہاں باقاعدہ عہدنامے مرتب ہوئے۔ لیکن قریش والوں کو تو کیا خود مدینہ کے کفار کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔ مکہ کے باہر ارقم کے مکان پر تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری تھا لیکن اس کا علم کئی سال کے بعد قریش کو ہو سکا۔ اور سب سے پہلے حضرت عمرؓ تلوار بدست وہاں جانے کے لئے روانہ ہوئے لیکن ایمان بقلب پہنچے۔ خود ہجرت کے موقعہ پر بہت پہلے سے حملہ کی تیاریاں مکمل تھیں۔ سواریاں تیار کر لی گئی تھیں۔ دشمن گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھا لیکن رسول اللہ صلعم گھر سے باہر تشریف لائے اور حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر گئے اور دشمن کو آہٹ تک نہ مل سکی۔ مکہ سے بہت قریب غارِ ثور میں تین دن تک مقیم رہے اور حضرت ابوبکرؓ کا پورا خاندان وہاں آتا جاتا رہا لیکن دشمن کو خبر نہ ہو سکی۔

قریش کی ان تمام ایذا رسانیوں کے باوجود کبھی اعلیٰ اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا گیا۔ خون کے پیاسے دشمن اپنا قیمتی مال صادق اور امین کے پاس رکھ کر اطمینان محسوس کرتے تھے۔ لیکن جب اس نے تلواروں اور نیزوں کے سائے میں مکہ کو الوداع کہا تو امانت کی واپسی کو نہ بھولا اور اسی خیال سے اپنے عزیز بھائی کو خطرہ میں ڈال دیا اور پُرخطر راستہ کے ایک اور ہمراہی سے ہاتھ دھونا اس نے مناسب جانا۔

مختصراً یہ کہ مکہ کے تیرہ سالہ قیام کے دوران میں رسول اللہ صلعم نے مسلمانوں میں اتحاد، تنظیم اور مساوات کی بنیاد رکھی۔ دشمن کا مقابلہ صبر و استقامت سے کیا اور کبھی طاقت کے استعمال کا خیال بھی دل میں نہ لائے اور

تک اعلیٰ کرداری اور بلند اخلاق کے ذریعہ ان کا مقابلہ کرتے رہے۔

مدنی عہد

داخلہ سیاست مدینہ میں آنے کے بعد حالات نے پلٹا کھایا۔ کچھ مسائل تو حل ہو گئے اور کچھ نئے نئے مسئلے بھی پیدا ہو گئے اور ایک اسلامی مملکت معرض وجود میں آ گئی جس کے باشندے صرف مسلمان نہ تھے بلکہ غیر مسلم قومیں بھی معاہدات کے ذریعے اس کی شہری بن گئی تھیں۔ اس مملکت کے اندرونی استحکام کے خیال سے ایک عہدنامے کے ذریعہ مختلف طبقوں کے تعلقات کی وضاحت کر دی گئی۔ مہاجر و انصار، پھر انصار میں بھی اوس و خزرج اور مسلمان اور یہود کے تعلقات نہایت واضح خطوط پر قائم کئے گئے۔ مہاجر و انصار میں باہمی وراثت کا طریقہ جاری ہوا۔ مواخاۃ کے ذریعے ایک دوسرے سے قریب تر لایا گیا۔ اوس کے دلوں سے خزرج کی چیرہ دستیاں اور خزرج کے ذہنوں سے بعاث کے خوں ریز معرکہ کو محو کر دیا گیا۔ یہود کو جو اس مملکت کے شہری تھے مذہبی آزادی دے کر فصل خصومات کا حق کیا گیا۔ پھر اسلامی معاشرہ کی بنیادیں استوار کی گئیں۔ شاہ و گدا، ادنیٰ و اعلیٰ کا فرق مکہ ہی میں ختم کیا جا چکا تھا۔ تاہم اتنے بڑے گروہ میں فرق مراتب کا قیام ضروری سمجھا گیا۔ یہ فرق رنگ و خون، نسل و وطن کی بنیادوں پر قائم نہیں کیا گیا بلکہ تقوےٰ اور خوف الٰہی اصل الاصول قرار پائے۔ سب سے زیادہ متقی سب سے زیادہ معزز اور محترم سمجھا جانے لگا۔ تاہم شناخت اور تمیز کے خیال سے قبائلی تقسیم بحال رکھی گئی۔ قبیلوں کی تقسیم کی حیثیت اب صرف افراد کے ناموں کی سی رہ گئی۔

اسلامی معاشرہ میں اتحاد اور یک جہتی پیدا کرنے کی غرض سے ابتداءً ترک وطن کو لازمی قرار دیا گیا۔ مدینہ سے باہر رہنے والے افراد یا قبائل جب مشرف باسلام ہوتے تو انھیں مدینہ بلوا لیا جاتا تھا تاکہ دیگر فوائد کے علاوہ مسلمانوں میں اتحادِ عمل اور تعاون پیدا ہو سکے۔ فتح مکہ کے بعد یہ حکم واپس لے لیا گیا۔

یہ تو اتحاد کے ایجابی ذرائع تھے سلبی طریقوں کو بھی بروئے کار لایا گیا اور ان تمام اسباب و علل کی بیخ کنی کر دی گئی جو نفاق و شقاق کا باعث ہوتے ہیں۔ غیبت جو محبت کی شدید ترین دشمن ہے اس کا خاتمہ مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دے کر کیا گیا۔ چغل خوری جس کا نمبر غیبت کے بعد آتا ہے اس کے مرتکب پر لعنت بھیجی گئی۔ بہتان کے لئے باقاعدہ سزا مقرر ہوئی۔ خون کا انتقام جس کے چکر میں آ کر عرب کا قومی شیرازہ صدیوں سے بکھرا ہوا تھا اس کو پاؤں کے نیچے روند ڈالا گیا۔ تاہم قتل عمد کے لئے قصاص یا دیت اور قتل خطا کے لئے صرف دیت مقرر کی گئی تاکہ قتل و خونریزی کا بازار گرم نہ ہو جائے۔ شراب جس کو پی کر لوگ آپے سے باہر ہو جاتے اور گالی گلوچ سے بڑھ کر مار پیٹ اور قتل تک کی نوبت آ جاتی حرام قرار پائی۔ جوا بھی صحت مند معاشرہ کے لئے ناسور کا حکم رکھتا ہے ممنوع ہوا۔ مالدار کے لئے غریبوں کے خون چوسنے کا واحد ذریعہ سود نہایت سختی کے ساتھ بند کر دیا گیا۔

مزید برآں عبادات سے مساوات، اخوت اور اتحاد کو اور مضبوط کر دیا گیا جس کی تفصیل میں جانے کا موقع یہاں نہیں ہے۔ اہلِ حقوق کے حق متعین ہوئے۔ عورتوں اور مردوں کو مساوی حقوق عنایت ہوئے۔ غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ نرمی کرنے کی اس قدر تاکید کی گئی کہ وہ خاندان کا ایک فرد بن گئے۔ نیز مختلف طریقوں سے ان کی رفتہ رفتہ آزادی کی راہیں کھول دی گئیں۔ ان تمام چیزوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم قوم "بنیانِ مرصوص" بن گئی۔ اس طرف قرآن کریم نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

یاایھا الذین آمنوا اذکروا نعمتہ اللہ علیکم اذکنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔	مسلمانو اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے جانی دشمن اور خون کے پیاسے تھے لیکن اللہ تعالےٰ نے تمہیں اس قدر متفق و متحد کر دیا کہ تم بھائی بھائی بن گئے۔

شادی حصول اتحاد کا قدیم ترین ذریعہ ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذریعہ سے بھی کام لیا۔ بڑے بڑے صحابہ سے رشتے قائم کئے۔ دیگر قبائل کو بھی ان ہی رشتوں کے ذریعہ ملا لیا۔ صحابہ نے بھی بالخصوص اس بات میں آپ کی تقلید کی۔ بین الاقوامی شادیاں عام ہو جانے کے باعث مسلمان اور بھی متحد ہو گئے۔

داخلہ سیاست کے سلسلے میں انتظامِ مملکت اور سیاستِ مدن کے اداروں کا مختصر ذکر بھی ضروری ہے۔ مقدمات کے فیصلے، اقامت عدل اور قیامِ امن کے لئے مختلف مقامات پر حکام اور والی مقرر فرمائے۔ ہر قبیلے کے لئے محصلینِ زکوٰۃ کا تقرر بھی عمل میں آیا۔ عموماً قبیلہ کے سردار کو یہ منصب سپرد کیا جاتا تھا۔ یہ محصلین قوانینِ صدقات و زکوٰۃ کے عالم ہوتے تھے۔ اُمت کے اخلاق و عادات اور معاملات کی نگرانی آپ خود فرماتے تھے۔ ہر گاؤں یا بڑے شہر کے ہر محلے میں ہر دس آدمی پر ایک عریف مقرر ہوتا تھا۔ ان عریفوں کا آفیسر نقیب کہلاتا جو براہِ راست عامل کے سامنے جوابدہ ہوتا۔

خارجہ پالیسی نبوی سیاست خواہ مکی ہو یا مدنی، خارجہ ہو یا داخلہ ہر ایک میں امن و آشتی کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ قریش جنھوں نے مسلمانوں کو گھر بار ترک کرنے پر مجبور کر دیا تھا ان سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوستی اور خیر سگالی کا معاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن قریش مسلمانوں کی ہجرت کے باوجود نچلے نہ بیٹھے۔ انھوں نے مدینہ کے سربرآوردہ اشخاص کے پاس مسلمانوں کو شہر سے نکال دینے کے لئے تہدید آمیز خطوط بھیجے۔ گذشتہ تیرہ سال کا تجربہ بھی اس بات کی تصدیق کرتا تھا کہ اہلِ قریش آسانی کے ساتھ صلح و دوستی کا ہاتھ بڑھانے والے نہیں ہیں۔ اس لئے ان پر معاشی دباؤ ڈالنا ضروری سمجھا گیا۔ قریش کی خوش حالی کا سارا دارومدار شام کی تجارت پر تھا اور مکّہ سے شام کا راستہ مدینہ کے قریب سے ہو کر گزرتا تھا۔ قریش کے تجارتی قافلوں کی آمد و رفت میں اس خیال سے رکاوٹیں پیدا کی گئیں کہ قریش اپنی معاشی تباہی کے ڈر سے اسلام دشمنی کو ترک کر کے مسلمانوں سے صلح کر لیں۔ لیکن اس اقدام نے جنگ کی صورت اختیار

کرلی۔ اکثر جنگوں میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی یہ فتوحات اپنے جلو میں بہت سے دشمن بھی لائیں۔ بدر کی کامیابی یہود کی علانیہ دشمنی کا باعث بنی۔ مکہ کی فتح ہوازن اور ثقیف کی سرکشی کا سبب تھی جن کی وجہ سے متعدد جنگیں لڑنی پڑیں۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ قیامِ مکہ کے دوران میں کبھی بھی تشدد سے کام نہیں لیا گیا۔ اہلِ مکہ نے بے شمار موقعوں پر اشتعال انگیز حرکتیں کیں لیکن مسلمانوں نے ان تمام چیزوں کو نہایت صبر و سکون کے ساتھ برداشت کیا۔ لیکن جب گھربار چھوڑنے کے باوجود دشمن نے چین نہ لینے دیا تو مجبوراً طاقت سے کام لینا پڑا اور طاقت کا صرف اس وقت استعمال کیا گیا جب دشمن خود شہر کے قریب چڑھ کر آگیا۔ آپ نے ہمیشہ اس بات کی کوشش فرمائی کہ جنگی تیاریاں ایسی ہوں اور تدابیر ایسی استعمال کی جائیں کہ کم سے کم وقت اور کم سے کم جانی اور مالی نقصانات سے دشمن کو ہار تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا جائے تاکہ حق کی اشاعت کے لئے راستہ صاف ہو سکے۔

جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ سپاہیوں کے حوصلے بلند ہوں اور ان میں جان دینے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ اہلِ عرب میں اس جذبہ کی کمی نہ تھی۔ مارنا اور مر جانا ہی ان کا مقصدِ حیات تھا۔ لیکن اس جذبہ کا محرک اعلیٰ نہ تھا یہ تمام خونریزیاں کسی چراگاہ پر قبضہ، کسی قبیلہ پر غلبہ، مالِ غنیمت کے حصول یا کسی مقتول کے خون کا بدلہ لینے کے لئے کی جاتی تھیں۔ لڑنے والوں کو اطمینان تھا کہ اگر جیت گئے تو مقصد حاصل ہو جائیگا۔ دور دور تک ان کی بہادری کی دھاک بیٹھ جائے گی۔ فقر و فاقہ کے چنگل سے کچھ عرصہ کے لئے نجات مل جائے گی اور اگر مارے گئے تو قبیلہ کے باقی ماندہ افراد خون کی ندیاں بہادیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقاتلہ کے اس جذبہ کو اعلیٰ مقصد کے لئے استعمال کیا۔ مسلمانوں کے ذہن نشین کر دیا گیا کہ جنگ میں قتل ہو جانے کی صورت میں شہادت کا اعلیٰ ترین درجہ حاصل ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ ابدی اور جاودانی زندگی سے بہرہ ور ہوا جا سکتا ہے اور بچ رہنے کی صورت میں بھی خسارہ نہیں ہے۔ دینی اور دنیاوی نعمتوں کی بہتات ہوتی ہے۔ اسی جذبہ نے ہر جنگ میں کام دیا۔ نہ صرف عہدِ نبوی میں بلکہ اس زمانہ تک اس جذبۂ جہاد سے جب بھی کام لیا گیا مفید نتائج برآمد ہوئے۔

حوصلہ کی بلندی زیادہ سود مند ثابت نہیں ہو سکتی جب تک سپاہیوں کی جنگی تربیت منظم طریقہ سے نہ کی جائے ان میں اتحاد کے علاوہ تعاون اور ہم آہنگی پیدا ہونا چاہیئے۔ ان میں تکالیف کی برداشت اور خطرات کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنے کی صلاحیت بھی لازمی چیز ہے۔ اسلامی عبادات نے بہت بڑی حد تک جنگی تربیت کا کام دیا۔ نماز نے مسلمانوں میں صف بندی اور اطاعتِ امیر کا جذبہ پیدا کر دیا۔ تعاون اور اتحادِ عمل کے وہ عادی بنا دئے گئے۔ اس کی مشق دن میں ایک دو بار نہیں بلکہ پانچ بار رکھی گئی۔ روزوں کے ذریعہ صبر و استقامت کا درس دیا گیا، بھوک پیاس کی مشق بہم پہنچائی گئی۔ ان چیزوں کے علاوہ شہسواری، تیراندازی، تیراکی اور پہلوانی پر بھی زور دیا گیا۔ اکثر آدمیوں، گھوڑوں، گدھوں اور اونٹوں کی دوڑ ہوا کرتی تھی۔ آنحضرتؐ اس پر خود انعام دیا کرتے تھے۔ مسجد السبق اب تک اس کی یادگار ہے

موجود ہے۔ عورتوں کو زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کی مشق کرائی جاتی تھی تاکہ وہ زخمی سپاہیوں کی خدمت کر سکیں۔

ان چیزوں کے علاوہ ضرورت اس بات کی تھی کہ فوج میں زیادہ سپاہی بھرتی کئے جائیں۔ ابتدائی آٹھ سالوں میں مدینہ سے باہر رہنے والے نومسلموں کے لئے مدینہ میں آکر آباد ہونا لازمی تھا۔ بہت سی باتوں کے علاوہ اس حکم میں اسلام کی فوجی طاقت کو بھی مدِ نظر رکھا گیا تھا۔ لیکن جوں ہی تقریباً پورا جزیرہ نمائے عرب اسلامی جھنڈے تلے متحد ہو گیا، تو ہجرت کا حکم لا ھجرۃ بعد الفتح فرما کر واپس لے لیا گیا۔

دشمنوں کو شکست دینے کے لئے ایک اہم چیز سلحات جنگ کی فراہمی اور ان کا استعمال بھی ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ کے جدید ترین اسلحات کے استعمال سے کبھی کوتاہی نہیں کی۔ جنگ احزاب میں خندق کی کھدائی، خیبر میں منجنیق کا استعمال، محاصرۂ طائف میں دبابہ سے استفادۂ جدید آلات کے استعمال کی بہترین مثالیں ہیں۔ اسلحات کے ساتھ ساتھ فنونِ جنگ بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف کبھی غفلت نہیں برتی۔ ہر جنگ میں موقعہ و محل کے لحاظ سے فنِ جنگ کا آزادانہ استعمال ہوا۔ بدر کے میدان میں پہلی بار صف بندی دیکھنے میں آئی۔ پہلی صف میں نیزہ بردار متعین ہوئے جو نیزوں کو دشمن کی طرف جھکائے بایاں گھٹنا زمین پر ٹیک کر دشمن کی پیشقدمی کے منتظر رہے جوں ہی دشمن نیزے کی زد میں آگیا ان پر بھرپور حملہ کر دیا۔ دوسری صف میں تیرانداز مقرر ہوئے جنھوں نے تیروں کی بارش کر کے حریف کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ تیسری اور آخری صف سواروں کی تھی۔ دشمن کے پیٹھ پھیرتے ہی ان سواروں نے تعاقب کیا کچھ کو گرفتار کر لیا اور کچھ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جنگِ اُحد کے موقعہ پر رسول اللہ صلعم کی نگاہوں سے وہ درہ اوجھل نہ رہ سکا جس کے ذریعہ پُشت کی جانب سے اسلامی فوج پر حملہ کیا جا سکتا تھا۔ اس خدشہ کا سدِ باب کرنے کے لئے پچاس تیرانداز متعین کر دئیے گئے۔ فنِ جنگ کے سلسلے میں حنین کا واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ خونریز جنگ جاری تھی۔ فریقین کے جوانمرد خاک و خون میں لوٹتے نظر آرہے تھے۔ جنگ کا نتیجہ غیر یقینی تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ ہوا تیز چل رہی ہے اور اس کا رُخ بھی دشمن کی جانب ہے آپ نے ایک مٹھی بھر ریت ہوا میں اُڑا دی۔ اس بروقت اقدام نے نقشۂ جنگ ہی بالکل بدل کر رکھ دیا۔

دشمن کو زیر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے ارادوں اور منصوبوں سے واقفیّت حاصل کی جائے اور ان پر اپنے ارادے عیاں نہ ہونے دئیے جائیں۔ اس طرح ایک طرف جاسوسی ضروری ہے تو دوسری طرف اخفاء راز لازمی ہے۔ اچانک حملوں کی روک تھام جاسوسوں اور خبر رسانی کے دیگر ذرائع ہی سے ممکن تھیں۔ مدینہ تشریف لانے کے بعد رسول اللہ صلعم کا دستور تھا کہ وہ دشمنوں کی نقل و حرکت معلوم کرنے کی غرض سے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں اور فوجی دستے روانہ فرماتے۔ عبداللہ بن جحش کا وہ مشہور دستہ نخلہ کی جانب اسی غرض سے روانہ کیا گیا تھا جو غزوۂ بدر کا فوری سبب بنا۔ خبر رسانی کے مکمل انتظام کا نتیجہ تھا کہ پہلی بار قریش کو مدینہ سے ۸۰ میل کے فاصلہ پر بدر کے میدان سے آگے نہ بڑھنے دیا گیا۔ دوسری

مرتبہ دو خبر رساں جن کے نام انس اور مونس تھے تفتیش حالات کے لئے روانہ کئے گئے انہوں نے واپس آکر اطلاع دی کہ قریشی لشکر مدینہ کے قریب آگیا ہے۔ جنگِ اُحد کے بعد حضرت علیؓ کو یہ معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا کہ کہیں ایسا تو نہیں، کہ دشمن مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہو۔ آپ نے اس سلسلہ میں یہ بھی بتلا دیا کہ اس چیز کے معلوم کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اہلِ مکہ اگر اونٹ پر سوار ہو جائیں اور گھوڑوں کو کوتل چھوڑ دیں تو یقیناً ان کا ارادہ مکّہ کی واپسی کا ہے اور برخلاف اس کے وہ گھوڑے پر سوار ہوں اور اونٹ کو خالی رکھیں تو وہ عازمِ مدینہ ہونگے۔ مکہ کے حالات معلوم کرنے کی غرض سے حضرت عباس کو ایمان لانے کے بعد بھی ہجرت کرنے سے منع فرما دیا۔ اخفاء راز کا یہ حال تھا کہ دس ہزار فوج مکّہ کی طرف روانہ ہوئی لیکن دشمن اس وقت تک غافل رہا جب تک کہ یہ فوج ان کے سروں پر نہیں پہنچ گئی۔ حاطب نامی ایک شخص نے ایک عورت کے ذریعہ اس امر کی اطلاع مکہ والوں کو دینے کی کوشش بھی کی تو وہ عورت راستہ ہی سے گرفتار کر لی گئی۔

جنگ میں اعلیٰ کرداری کو ہمیشہ مدِنظر رکھا گیا۔ رسول اللہ صلعم نے جنگ کو تمام دنیاوی اغراض اور وحشیانہ افعال سے پاک کر کے بلند مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنا دیا۔ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے کی سخت ممانعت فرمادی۔ دشمن کو باندھ کر تیروں کا نشانہ بنانے کو جس کا عرب میں عام دستور تھا سختی سے روک دیا۔ عہد کی پابندی کا خاص خیال رکھا۔ صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں ابو جندل کے مکہ سے زخمی حالت میں بھاگ کر آنے پر تمام مسلمان بے قرار ہو گئے تھے اس کے باوجود عہد کی پابندی کے خیال سے آپ نے ابو جندل کو مکہ والوں کے حوالہ کر دیا۔ قاصدوں کو قتل کرنے اور نقصان رسانی سے منع فرمایا۔ حتیٰ کہ آپ کی شان میں گستاخی کرنے والے قاصدوں کے ساتھ بھی آپ نے کسی قسم کا ناروا سلوک نہیں کیا۔ اسیرانِ جنگ کو نہ صرف ہر قسم کی تکلیف پہنچانے کی ممانعت فرمادی بلکہ صحابہ کو تاکید کی کہ قیدیوں کو اچھا کھانا کھلائیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ کھجور کھاتے اور قیدیوں کے لئے روٹیاں مہیا کرتے تھے۔ راستے میں لوٹ مار کرنے سے فوجوں کو سختی سے روکا۔ ایک غزوہ میں مسلمانوں کو رسد کی کمی تھی اور انہوں نے بکریوں کا ایک گلہ لوٹ کر گوشت پکایا۔ رسول اللہ صلعم نے ہانڈیاں چولہے پر سے اُلٹ دیں اور فرمایا لوٹ کا مال مردار کے گوشت کے برابر ہے۔ جنگ میں البتہ دشمنوں کی قوت توڑنے کے لئے ان کے درمیان پھوٹ ڈالنے کو جائز قرار دیا گیا اور اس کی مثال غزوۂ خندق میں قریظہ اور قریش میں نفاق ڈلوانے سے ملتی ہے۔

اسلام میں جنگ مقصود بذاتہ نہیں ہے بلکہ وہ حصولِ مقصد کا ایک ذریعہ ہے جنگیں صرف قیامِ امن کی خاطر لڑی گئیں جنگ کا مقصد جنگ سے بچاؤ تھا۔ اس لئے جب بھی دشمن پر قابو پایا گیا بلا استثنا ان سے رافت و رحمت کے ساتھ پیش آیا گیا۔ ان کی ایذا رسانیوں اور ریشہ دوانیوں کو نظر انداز کر کے نہ صرف معاف کر دیا گیا بلکہ انھیں اعزاز اور افتخار سے بھی نوازا۔ فتح مکّہ کے موقعہ پر قریش کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا۔ یہودی قبیلے قینقاع نے سرکشی

کی ان کا محاصرہ ہوا انھوں نے مدینہ چھوڑ دینے کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی۔ یہودیوں ہی کے دوسرے قبیلے بنو نضیر کو رسول اللہ صلعم کے قتل کی سازش کے باوجود مع مال و اسباب کے مدینہ چھوڑنے کی ان کے حسب منشا اجازت دی گئی۔ بدقسمت قبیلہ قریظہ نے بدعہدی کے جرم کی سزا تجویز کرنے کے لئے سعد بن معاذ کو حکم بنانا چاہا تو بھی انکار نہیں کیا گیا۔ اہلِ خیبر نے اپنی مسلسل شرارتوں کے باوجود نصف پیداوار کے عوض کاشت کرنی چاہی تو رحمتِ عالم نے اسے منظور فرما لیا۔ غزوۂ حنین کے بعد ہوازن کے لوگوں نے اپنے قیدیوں کی رہائش کی درخواست کی وہ بھی مسترد نہ ہوئی۔

خارجی سیاست میں ایک اور چیز ہمیشہ پیش نظر رہی کہ جہاں تک ہو سکے دشمن کی تعداد میں اضافہ نہ ہونے پائے۔ جنگ احزاب میں قریش کے علاوہ نضیر، غطفان اور اسد کے قبیلے مدینہ پر چڑھ آئے تو رسول اللہ صلعم غطفان کو مدینہ کی ایک تہائی پیداوار اس شرط پر دینے کے لئے آمادہ ہوگئے کہ وہ اپنے آدمیوں کو لے کر واپس چلے جائیں لیکن اس واقعہ نے ایک خطرناک امکان سے باخبر کر دیا اور ہمیشہ اس چیز کی پیش بندی کی گئی کہ قریش اور یہود دوبارہ متحدہ حملہ نہ کر سکیں دوسرے ہی سال قریش سے بظاہر گری ہوئی شرائط پر دس سال کے لئے صلح کر لی اور ایک سال کے اندر ہی خیبر کے یہود کی ہمیشہ کے لئے بیخ کنی کر دی گئی۔

نبوی سیاست میں تالیفِ قلب کو بڑی اہمیت حاصل رہی جس کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کو کسی طرح دوست بنا لیا جائے یا کم از کم اس کو غیر جانبدار رہنے پر آمادہ کر لیا جائے۔ اور دوستوں میں انعام و اکرام کے ذریعہ سرفروشی کا ذوق پیدا ہو اور مذبذب لوگ تائید پر آمادہ ہو جائیں۔ مکّہ میں قحط کے موقعہ پر پانچ سو اشرفیاں بھیجنا، ابوسفیان کی لڑکی امِ حبیبہؓ سے رسول اللہ صلعم کا نکاح فرمانا، جنگِ حنین کے مالِ غنیمت میں سے مکّہ کے نومسلموں کو بڑا حصّہ عطا کرنا اور اہلِ طائف کے قبول اسلام کے وقت ان کو رعائتیں دینا سب کی سب تالیفِ قلب ہی کی تو مثالیں ہیں۔

یہ تھی وہ سیاست جس سے دس سال کے اندر اندر دس لاکھ مربع میل سے بھی زیادہ زمین پر خدائی پرچم لہرانے لگا اور ڈاکٹر حمید اللہ کے حساب سے روزانہ ۲۷۴ مربع میل کی بے نظیر سرعت کے ساتھ اسلامی مملکت میں اضافہ ہوتا رہا۔ اور جب رسول اللہ صلعم کا وصال ہوا تو تقریباً برِّ کبیر پاک و ہند کے برابر علاقہ مسلمانوں کی آفاقی میں آ چکا تھا۔ اور اس سیاست کے تربیت یافتہ اشخاص نے فتوحات کو ایشیا افریقہ اور یورپ تک نہایت قلیل عرصے میں پھیلا دیا۔